الجامعة المحمدية

كلية اللغة العربية والدراسات الإسلامية

آپ کی آواز، آپ کا رہنما

مجلة النادي المحمدی



جلد نمبر: 1

شمارہ نمبر: 8

اکتوبر 2025

شائع کردہ شعبہ النادی المحمدی کلیة اللغة العربية و الدراسات الإسلامية الجامعة المحمدية

جامعہ محمدیہ منصورہ پوسٹ باکس نمبر۔ 144 مالیگاؤں۔ 423203 ضلع ناسک، مہاراشٹرا، الھند

آپ کی آواز، آپ کا رہنما

طلبہ کلیہ کا دینی، ادبی، علمی، اور تحقیقی ماہنامہ

مَجَلَّة النَّادِي الْمُحَمَّدِي

شمارہ نمبر: 8 جلد نمبر 1 اکتوبر 2025

سرپرست اعلی:

فضیلۃ الشیخ ارشد مختار محمدی حفظہ اللہ

مشرف عام: الشیخ محمد شاہ نواز المدنی

رئیس النادي: ڈاکٹر ضیاء القمر المدنی

مشرف شعبہ صحافت: ڈاکٹر منظور احمد المدنی

مدیر مجلہ: صفی الرحمن

معاون مدیر: غلام مرتضی

مجلس مشاورت:

ابو بکر، محمد شاکر، محمد احمد

عبد اللہ اعجاز، عبد المقتدر

شائع کردہ:

کلیۃ اللغۃ العربیۃ والدراسات الاسلامیۃ جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں

جامعہ محمدیہ منصورہ پوسٹ باکس نمبر۔144 مالیگاؤں۔423203، ضلع ناسک،

برگ وبار مجلہ

درس قرآن	فوزان ضیاء القمر	4
درس حدیث	محمد احمد ظہیر	8
حدیث " اذا امن الامام فامنوا۔۔" ایک مطالعہ	عبد العلیم	11
رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا جائزہ لیں	عمر فاروق	14
ہتھیلی میں دنیا یا گمراہی کا دروازہ	رحمت اللہ	18
ویحذرکم اللہ نفسہ	محمد اسحاق	22
خاندان اور خاندانی نظام کی اہمیت	عمران تجمل	25
منہج سلف وسطیت کا علمبردار ہے نہ کہ تشدد کا	عفان عالم	29
یوسی سی کی حقیقت اور مسلمانوں پر اس کے اثرات	مجتبی ثناءاللہ	33
بندہ مومن کی سوچ کیسی ہونی چاہیے ؟	نور عالم	38
جیل بلا قدوۃ من المسلمین	امین الاکتر	43
Dreams never shine	**Abdullah Ejaz**	46

درس قرآن

فوزان ضیاء القمر (عالمیت اول)

قران کریم محض احکام و عقائد اور عبادات و معاملات کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ یہ وہ آفتاب ہے جس کے نور ہدایت سے ظلمتِ ضلالت و جہالت معدوم ہو جاتی ہے ۔ یہ وہ کتاب ہے جو انسانی عقائد و افکار کو سنوارتی ہے اور معاشرے کی تشکیل عدل وفا اور محبت و مودت کی بنیادوں پر دینے میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس کتاب مبین کی تعلیمات محض فرد کی اصلاح نہیں کرتی بلکہ ایک تہذیبی، ایک امت اور ایک نظریہ حیات کی تشکیل کرتی ہے ، انہی تعلیمات میں سے ایک نہایت اہم اصول سورہ آل عمران کی آیت نمبر 28 میں بیان کیا گیا ہے ۔ایسا اصول جو ایمانی وفاداری فکری امتیاز اور عقیدہ برات کو وضاحت سے بیان کرتا ہے۔

اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿لا يتخذ المؤمنون الكافرين اولياء من دون المؤمنين ومن يفعل ذلك فليس من الله في شيء الا ان تتقوا منهم تقاة ويحذركم الله نفسه والى الله المصير﴾(آل عمران:28)

ترجمہ: (مومنین کو چاہیے کہ وہ اہل ایمان کو چھوڑ کر کفار سے دوستی قائم نہ کریں، اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ رب العزت سے تعلق ٹوٹ جائے گا الا یہ کہ فتنے یا شر کے خطرے سے بچنا مقصود ہو اور

اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف واپس جانا ہے۔)

یہ آیت کریمہ ان اصول واحکام میں سے ہے جو نہ صرف ایمان کی بنیاد کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ ولاء وبراء کے اسلامی نظریے کو بھی مکمل وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

ولاء کا مطلب ہوتا ہے دوستی، وفاداری، نصرت اور قلبی وابستگی اور براء یعنی ظلم وفسق سے بیزاری ودوری۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے ماننے والوں کو صاف لفظوں میں خبردار کر دیا ہے کہ ان کے دلوں کا جھکاؤ، ان کی وفاداری اور محبت مومنین کے ساتھ ہونی چاہیے نہ کہ کفار ومشرکین اور دشمنان اسلام کے ساتھ۔ یہاں "اولیاء" کا مفہوم بہت وسیع ہے اس میں محض رسمی دوستی یا خوش اخلاقی شامل نہیں بلکہ گہرا تعلق، مشاورت، رازداری، مدد ونصرت، فکری ہم آہنگی اور سیاسی وتہذیبی اتحاد جیسے تمام پہلو آجاتے ہیں۔

اگر کوئی شخص دل سے یا عمل سے کافروں کو مومنین پر ترجیح دیتا ہے، ان سے قلبی وفاداری رکھتا ہے یا ان کی تہذیب کو اپنے دین ومعاشرت سے برتر سمجھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا:

کہ ﴿فليس من الله في شيء﴾ یعنی وہ شخص گویا اللہ تعالیٰ کی ولایت سے، اس کی نصرت سے، اور اس کے دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہ اعلان صرف دنیا میں

ذلت و رسوائی اور محرومی کا نہیں ، بلکہ آخرت میں اللہ سے کٹ جانے کی وعید ہے۔

تاہم آیت کا درمیان حصہ ، جو کہ ﴿إلا أن تتقوا منهم تقاة﴾ہے،ایک استثناء کی طرف اشارہ کرتا ہے ، یعنی اگر مومن واقعی اضطرار، خوف، یا خطرے کی حالت میں ہو تو وہ تقیہ اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن یہ تقیہ صرف ظاہر میں ہوگا۔ دل کا مکمل طور پر ایمان پر قائم ہونا شرط ہے۔

عمار بن یاسر کا واقعہ اس کی بہترین مثال ہے جب کفار نے ان پر سخت تشدد کیا تو زبان سے بعض کفریہ کلمات ادا ہو گئے ، لیکن ان کا دل ایمان ہی پر قائم تھا، اور اللہ تعالی نے ان کی مجبوری کو قبول فرمالیا۔

آیت کے اختتام پر اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿ويحذركم الله نفسه﴾یعنی اللہ تعالی تمہیں اپنے ذات سے ڈراتا ہے یہاں اللہ کا ڈرانا محض سزا یا جہنم کی دھمکی نہیں بلکہ اللہ کے عدل اس کی دینی غیرت اور اس کی گرفت کی خوف کی طرف اشارہ ہے ۔اللہ تعالی وہ ذات ہے جو دلوں کا حال جانتا ہے،جو ظاہر و باطن سے واقف ہے اور جو ہر کسی کو اس کے اعمال کا جزا و سزا دے گا۔ اس لیے فورا فرمایا:﴿وإلى الله المصير﴾

اس آیت کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کو فکری، تہذیبی، سیاستی ،اور روحانی سطح پر کفار سے خود کو ممتاز اور محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ کافروں کے ساتھ معاملات یا حسن سلوک اپنی جگہ مگر محبت ، اعتماد ، مشاورت ، اور طبعیت کی

گنجائش نہیں۔

یہ آیت ہمیں اس بات کی تعلیم دیتی ہے کہ ایمان کوئی سطحی چیز نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں ، عقل کی راہوں ، اور تعلقات کے دھاروں تک رسائی رکھتا ہے، اگر کوئی کافروں کے ساتھ دل سے وابستہ ہے ان کو دوست ، رہنما اور خیر خواہ سمجھتا ہے تو وہ ایمان کے مفہوم کو پامال کر رہا ہے۔

فوائد وارشادات:

1- یہ آیت اس بات پر واضح دلیل ہے کہ مومن کا دل صرف اہل ایمان سے جڑا ہونا چاہیے اور کفار کے ساتھ قلبی تعلق رکھنا ایمان کے منافی ہے۔

2- کفار کی حمایت یا ان کا تعاون کر کے مومنین کو نقصان پہنچانا قطعا درست نہیں ہے اور ایسا کرنے والا اللہ کی حمایت سے محروم ہو سکتا ہے۔

3- اگر فتنہ یا شر کا اندیشہ ہو تو ظاہری طور پر بچاؤ کی خاطر کفار سے تعلق قائم کرنا جائز ہے بشرط کہ دل ایمان پر مطمئن ہو۔

4- ہر مومن کو اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے لہذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وقتی مفاد کے لیے اپنی اخرت برباد نہ کرے۔

اب اخیر میں اللہ رب العزت سے دعا گوں ہوں کہ یا رب تو ہم تمام مسلمان کرام کو دین اسلام پر ثابت قدم رکھ ، ہمیں کفار کے شر وفساد سے محفوظ رکھ ،تو نے ہم کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے تو ہمیں اپنی عبادت کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرما۔

یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک ۔

****

درس حدیث

محمد احمد ظهیر (کلیہ سنہ ثانیۃ)

عنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ الله قَالَ : كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔
(صحیح بخاری، کتاب الدعوات ، باب فضل التسبیح : 6406)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا کہ دو کلمے جو زبان پر نہایت ہی سہل و آسان، میزان میں گراں اور وزنی، رحمان کو محبوب اور پیارے ہیں وہ "سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم"ہیں۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عبادت میں ذکر واذکار کو خاصی اہمیت و مقام حاصل ہے۔ ذکر واذکار تقرب الٰہی کا بہت بڑا ذریعہ اور وسیلہ ہے، گناہوں کے کفارہ کا اہم سبب ہے، اس سے دلوں کو اطمینان و سکون اور راحت حاصل ہوتا ہے، بندہ رب العالمین کا قریب ترین اور محبوب تر بنتا چلا جاتا ہے، جس سے اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور اس پر مزید یہ کہ رب العزت کے مقرب فرشتے اس کی معیت اختیار کرتے ہیں۔جی یہاں اسی بندہ مومن کی بات ہو رہی ہے جو ہمہ وقت ذکر میں مشغول رہتا ہے، ان ذکر و اذکار کی انواع اور اقسام ہیں، بعض اذکار خاص مواقع اور اوقات کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے صبح و شام کے اذکار وغیرہ۔

جبکہ بعض ذکر و اذکار ایسے بھی ہیں جو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ مطلق طور پر وارد ہوئے ہیں، ان ہی اذکار میں وہ پیارا ذکر بھی ہے جو حدیث بالا میں

مذکور ہے، اس ذکر کے متعدد فضائل صحیح حدیثوں میں وارد ہیں ، فرمان نبوی ہے مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ(رواه الترمذي في سنن و صححه الألباني رحمه الله)

جو شخص ایک دن میں سو مرتبہ "سبحان اللہ و بحمدہ پڑھتا ہے تو اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نا ہوں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: اللہ کے رسول ﷺ نےفرمایا : مَنْ قال حِينَ يُصبِحُ و حِينَ يُمسِي : سُبحانَ اللهِ العظيمِ و بِحمدِهِ ، مِائةَ مَرَّةٍ ، لمْ يأتِ أحدٌ يومَ القِيامةِ بأفْضلَ مِمَّا جاء به ، إلَّا أحَدٌ قال مِثلَ ذلِكَ و زادَ عليْهِ (أخرجه مسلم في صحيحه)

جو شخص صبح و شام سو سو مرتبہ سبحان اللہ و بحمدہ پڑھتا ہے قیامت کے دن آنے والے نیک اعمال میں اس سے زیادہ نیکی آنے والے نیک اعمال میں اس سے زیادہ نیکی کسی کے پاس نہیں ہو گی سوائے اس شخص کے جس نے اسی طرح کا ورد کیا یا اس سے زیادہ کیا۔

مذکورہ بالا حدیث میں اس ذکر کی چند خوبیوں کو بیان کیا گیا ہے۔

پہلی خوبی یہ ہے کہ اس کی ادائیگی زبان پر انتہائی آسان ہے، ایسے حروف پر مشتمل ہے کہ کیا عرب اور کیا عجم سب کے سب سہولت کے ساتھ اسے پڑھ لیتے ہیں، اتنے آسان اور مانوس الفاظ اور چھوٹے چھوٹے جملے کہ بغیر کسی کسل و اکتاہٹ کے پڑھنے والا پڑھتا جائے اور رب کی عظمت کے احساس سے اس کا سراپا سرشار ہوتا جائے۔

اس ذکر کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والے کو رب کی محبت حاصل ہوگی ،رب کریم اسے اپنے محبوب بندوں میں شامل کرے گا،اس کا ذکر اپنے پاس فرمائے گا،اسے اپنی خاص مدد اور توفیق سے نوازے گا،اس کی نیکیوں کو قبول فرمائے گا، ہر شر سے اس کی حفاظت فرمائے گا اور اپنی خاص رحمت میں اسے جگہ عطافرمائے گا۔

اس ذکر کی تیسری خوبی یہ ہے کہ یہ اس ترازو میں جو قیامت کے دن بندوں کے اعمال کا وزن کرنے کے لیے نصب کیا جائے گا ثقیل اور بھاری ہوگا۔ اور یہ بات ذہن نشین رہے کہ بروز قیامت میزان کا قائم ہونا اور اعمال کا وزن کیا جانا برحق ہے،اس کے دلائل بکثرت کتاب وسنت میں موجود ہیں اور یہی اہل سنت والجماعت یعنی اہل حدیثوں کا مذہب ہے اور اس کے برحقیت پر ہمارا کامل ایمان ہے کہ میزان کا قائم ہونا برحق ہے، اس کی تاویل وانکار سے ہمارا مسلک کوسوں دور ہے فللہ الحمد۔

قارئین کرام ! یہ اندازہ لگائیں کہ یہ دعا مختصر اور آسان ہونے کے باوجود کس قدر معنی خیز پر حکمت اور رب کریم کے کتنے اہم اسماء وصفات پر مشتمل ہے تو پھر کیوں نہ یہ میزان عمل میں بھاری ہو اور اس کا ورد کرنے والا رب کا محبوب ومقرب ہو۔

اخیر میں رب العالمین سے دعا ہے کہ یارب تو ہمیں کثرت سے ذکر واذکار کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین۔

****

حدیث"اذاأمن الإمام فأمنواَ۰۰"ایک مطالعہ

عبدالعلیم شاهج الحق (عالمیت ثانی)

عن أبي هريرة رضـي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قـال: إذا أمن الامام فـامنوا؛ فـانَّـه من وافق تامينه تامين الملائكة غفر لـه مـا تقـدم من ذنبـه۔ (اخرجـه بخاري:رقم،747ومسلم:رقم، 410)

راوی حدیث کاتعارف:

نام :عبدالرحمن بن صخر الدوسی رضی اللہ عنہ۔

کنیت:ابوہریرہؓ

قوم و نسب :یمن کے قبیلہ دَوس سے تعلق رکھتے تھے۔

اسلام : خیبر کے موقع پر سن 7 ہجری میں اسلام قبول کیا۔

روایتیں :یہ مکثّرینِ صحابہ میں سے ہیں (یعنی وہ صحابہ جن سے احادیث کی روایت بہت زیادہ منقول ہوئی)۔

ان سے 5374 احادیث مروی ہیں۔

وفات :سن 58 یا59 ہجری میں وفات پائی۔رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ حدیث : "جب امام آمین کہے،توتم بھی آمین کہو۔ کیونکہ جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو جائے، اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں".

شرح حدیث:

إِذَا أَمَّنَ الإِمَامُ فَأَمِّنُوا:

یعنی جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔

آمین کا معنی ہے :اے اللہ! قبول فرما۔

علمائے لغت کے نزدیک آمین میں میم پر تشدید کے ساتھ (یعنی "آمّین") کہنا درست نہیں، کیونکہ اس کا معنی ""قصد کرنے والا""ہوتا ہے، جو اس مقام پر مناسب نہیں۔

اسی وجہ سے بعض فقہاء نے میم پر تشدید کے ساتھ آمین کہنا ناجائز یا مکروہ کہا ہے۔

وقتِ آمین کہنے کا صحیح مفہوم:

حدیث میں "إِذَا أَمَّنَ الإِمَامُ" کے الفاظ سے مراد ہے: جب امام آمین کہنا شروع کرے، تو مقتدی بھی اسی وقت آمین کہیں۔

یہ مفہوم دوسری حدیث سے واضح ہوتا ہے":إِذَا قَالَ الإِمَامُ وَلَا الضَّالِّينَ، فَقُولُوا آمِينَ)".(أخرجه البخاري: رقم 749)

یعنی جب امام (قراءت میں) وَلَا الضَّالِّينَ کہے تو تم آمین کہو۔ پس یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر اور وضاحت کررہی ہے۔

فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ:

یعنی جب بندے کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مطابق ہو جائے تو اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہاں مراد وہ فرشتے ہیں جو نماز میں اہلِ ایمان کے ساتھ شریک ہوتے ہیں ،چاہے آسمان میں ہوں یا زمین میں۔

حدیث کے الفاظ "تَأْمِينُ الْمَلَائِكَةِ" سے اشارہ ملتا ہے کہ آسمانی فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مومنوں کی نماز میں شریک کر رکھا ہے، اور جب مومن آمین کہتے ہیں تو وہ بھی آمین کہتے ہیں۔

چنانچہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ زمان و قول دونوں میں مطابقت رکھ لے، اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اقوالِ محدثین:

امام ابنِ حِبّان نے فرمایا:

"جو شخص فرشتوں کی آمین کی طرح آمین کہے، یعنی بغیر ریا، تکبر، یا خود پسندی کے صرف اللہ کی رضا کے لیے آمین کہے، تو اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔"

لیکن علامہ عبدالرحمن بن عبدالرحیم مبارکپوری (تحفۃ الأحوذی، شرح جامع ترمذی) نے اس قول کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

یہاں (فمن وافقه) سے مراد قول اور زمانہ دونوں میں موافقت ہے، نہ کہ صرف نیت یا کیفیت میں۔)

****

رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا جائزہ لیں

عمر فاروق (عالمیت ثانی)

حضرت محمد ﷺ کے انسانیت، خصوصاً مسلمانوں پر بے شمار احسانات ہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ احسانات رسولِ اکرم ﷺ کے ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ، جو ہمارا خالق، مالک، رازق اور کل کائنات کے نظام کا چلانے والا ہے، اپنے انعامات و احسانات کے بارے میں خود فرماتا ہے:

﴿وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا﴾ (سورة النحل: 18)

ترجمہ: اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انہیں شمار نہیں کر سکو گے۔

پس جس طرح اللہ تعالیٰ کے احسانات بے شمار ہیں، اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ کے بھی امت پر ناقابلِ شمار احسانات ہیں۔

لہٰذا اللہ کے بعد ہماری محبت کا مرکز و محور محمد رسول اللہ ﷺ ہونے چاہییں۔

آپ ﷺ سے محبت کرنا نہ صرف ہمارا فرض بلکہ ایمان کا لازمی جز ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایمان کا یہ جز یعنی محبتِ رسول ﷺ حاصل کیسے کیا جا سکتا ہے؟

اس کے لیے چند بنیادی باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

محبت میں اخلاص اور پاکیزگی:

محبت و انسیت کے تعلق کے لیے ضروری ہے کہ جس ذات سے تعلق ہو، اس کی عظمت و شان کے مطابق اس تعلق میں اخلاص، صفائی اور وفاداری ہو۔ ہر رشتہ اپنی قدر و منزلت کے لحاظ سے اخلاص چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں بھی اخلاص بنیادی شرط ہے، اور معمولی سی ملاوٹ بھی شرک کے زمرے میں آجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّٰهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ﴾ (سورة البقرة: 165)

ترجمہ: اور بعض لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہیں، ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیے، مگر ایمان والے سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں۔

اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے محبت میں بھی خلوص ضروری ہے۔

اگر اس محبت میں ریا، نمود و نمائش یا دنیاوی غرض شامل ہو جائے، تو انسان ایمان کے حقیقی دائرے سے باہر نکل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ

كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ (سورة التوبة: 24)

ترجمہ :فرما دیجیے: اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، قبیلے، تمہارے مال و تجارت، اور تمہارے پسندیدہ مکانات تمہیں اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں، تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے، اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

محبت کا ثبوت/اطاعت و فرمانبرداری

محبت صرف دعوے کا نام نہیں، بلکہ اطاعت اور فرمانبرداری کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اپنی محبت اور رسولِ اکرم ﷺ سے محبت دونوں کو اطاعت سے مشروط قرار دیا ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ﴿قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ (سورة آلِ عمران: 31–32)

ترجمہ :اے نبی ﷺ! فرمادیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔
فرما دیجیے: اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ منہ موڑلیں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

ان آیات میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا واحد راستہ رسولِ اکرم ﷺ کی اتباع ہے۔

اطاعت کے بغیر محبت کا دعویٰ محض زبانی ہے، حقیقت نہیں۔

قارئین! قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ محبتِ رسول ﷺ خالص، بے ریاء اور اطاعت پر مبنی ہونی چاہیے۔

یہی محبت ایمان کی حقیقت اور نجات کی ضمانت ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنے دعوائے محبت کو قرآنی معیار پر پرکھیں کہ کیا ہماری زندگی، ہمارا کردار اور ہمارے اعمال رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے سانچے میں ڈھلے ہیں یا نہیں؟

خاص طور پر وہ لوگ جو ربیع الاول میں عشقِ رسول ﷺ کے نعرے لگاتے ہیں، آئی لو محمد کا ورد کرتے ہیں لیکن ان کے ہاتھ میں بیڑی، سگریٹ اور تمبا کو ہوتا ہے۔

انہیں چاہیے کہ محض نعرے نہیں، بلکہ سیرتِ رسول ﷺ کو عملی زندگی میں اپنائیں۔ یہی حقیقی محبتِ رسول ﷺ ہے۔

اے اللہ! ہمیں اپنے محبوب ﷺ کی سچی محبت، خالص اطاعت، اور ان کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین یارب العالمین۔

****

ہتھیلی میں دنیا یا گمراہی کا دروازہ

رحمت اللہ (عالمیت ثانی)

فی الوقت ہم ایک ایسے عہدِ جدید میں جی رہے ہیں جس کا تصور سو یا دو سو سال قبل ناممکن و محال سمجھا جاتا تھا۔ انسانی اختراعات نے انسان کو نہ صرف فضا میں شاہین بنادیا بلکہ سمندر کی گہرائیوں میں شارک جیسی زندگی عطا کردی۔

وہ انسان جو کل تک صرف چاند دیکھنے کا خواہش مند تھا، آج اسی پر رہائش کے منصوبے بنا رہاہے، حتیٰ کہ اس نے انسانی فضلات سے بھی صاف شدہ پینے کا پانی تیار کرنے کا طریقہ ایجاد کرلیاہے۔

انسان کی سہولت پسندی نے صدیوں کی مسافت کو گھنٹوں کے سفر میں بدل دیا۔ گویا انسان نے ایسے ایسے مافوق الفطرت آلات اور اسلحے ایجاد کیے ہیں کہ عقل و قلب حیرت زدہ ہوجاتے ہیں۔ انہی حیرت انگیز اختراعات میں سے ایک ہے ایک موبائل فون ہے جو آج ہر دل عزیز اور انسانی زندگی کا لازمی جز بن چکا ہے۔

موبائل: ایک ناگزیر حقیقت:

آج کے دور میں موبائل کا تعارف کسی کے لیے اجنبی نہیں۔ یہ لفظ سنتے ہی بچوں کے چہرے کھل اٹھتے ہیں، اور نوجوانوں کے دل متحرک ہو جاتے ہیں۔ جو چیز کل تک صرف انسانی روابط کا ذریعہ تھی، آج وہ زندگی کی ہر ضرورت کا محور بن چکی ہے۔ یہی موبائل اب ذریعۂ معاش ہے، تجارت و معیشت کا اہم وسیلہ

ہے، باہمی رابطے کا ذریعہ ہے، خیریت و عافیت دریافت کرنے کا وسیلہ ہے، اور اگر کہا جائے کہ آج انسانی زندگی کا دار و مدار موبائل پر ہے، تو مبالغہ نہ ہوگا۔

لیکن جیسے ہر سکے کے دو رخ ہوتے ہیں، ایسے ہی موبائل کے بھی دو پہلو ہیں: مفید اور مضر۔

موبائل کے فوائد:

دین کی ترویج و اشاعت:

موبائل کے ذریعے اِعلاءِ کلمۃ اللہ اور تبلیغِ دین کا کام بخوبی انجام دیا جا سکتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا پیغام لمحوں میں پوری دنیا تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ دینی تعلیمات پر مشتمل ویڈیوز، بیانات اور مضامین ہر طبقے تک آسانی سے پہنچ رہے ہیں۔ یہ ایک عظیم دعوتی ذریعہ بن چکا ہے۔

تحصیلِ علم:

موبائل صرف تفریح کا آلہ نہیں بلکہ علم و معرفت کا خزانہ ہے۔ دینی و دنیاوی ہر قسم کے علوم اس پر دستیاب ہیں۔ اسلامی تعلیم سے لے کر عصری علوم تک سب کچھ چند کلکس کے فاصلے پر ہے۔ یوں یہ ایک ہمہ جہت علمی وسیلہ بن چکا ہے۔

حالاتِ حاضرہ سے آگاہی:

دنیا میں رونما ہونے والے واقعات و حادثات سے باخبر رہنا آج آسان ہو گیا ہے۔ اخبارات، نیوز چینلز، اور سرکاری اعلانات سب موبائل کی اسکرین پر موجود ہیں، یوں موبائل نے انسان کو عالمی سطح پر باخبر کر دیا ہے۔

احباب و اقارب سے روابط:

رشتہ دار اور دوست انسان کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں، موبائل نے ان سے رابطے کو آسان اور فوری بنا دیا ہے۔ دوریاں کم ہو گئیں، محبتوں کے سلسلے بحال ہو گئے۔

موبائل کے نقصانات:

وقت کا ضیاع:

وقت کی اہمیت کسی پر مخفی نہیں، مگر موبائل نے انسان کو سوشل میڈیا کی اسیری میں مبتلا کر دیا ہے۔ فیس بک، واٹس ایپ، انسٹاگرام اور یوٹیوب نے نوجوانوں کے قیمتی لمحات نگل لیے ہیں۔ یہی وقت اگر علم، عبادت یا خدمتِ خلق میں صرف ہو، تو انسان کامیابی پا سکتا ہے۔

گناہوں میں آسانی:

موبائل میں خیر و شر دونوں موجود ہیں، لیکن شر تک رسائی زیادہ آسان ہے۔ دینی ویڈیو کے دوران غیر اخلاقی اشتہارات ظاہر ہونا عام بات ہے۔ یہی چیز نفس کو ابھارتی اور انسان کو گناہ کے قریب لے جاتی ہے۔

جسمانی نقصان:

آج ہر تیسرے یا چوتھے شخص کی آنکھوں پر عینک ہے۔ ماہرینِ طب کے مطابق موبائل کی نیلی شعاعیں (Blue Light) آنکھوں کے لیے نہایت مضر ہیں۔ مسلسل اسکرین دیکھنے سے بصارت کمزور ہوتی ہے اور سر درد، نیند کی کمی جیسی بیماریاں عام ہیں۔

ذہنی و نفسیاتی اثرات

طبّی ماہرین نے ثابت کیا ہے کہ موبائل کا مسلسل استعمال دماغی یکسوئی اور حافظہ کو متاثر کرتا ہے۔ یہ ذہنی تھکن، اضطراب اور چڑچڑاپن پیدا کرتا ہے۔

موبائل کی لت:

موبائل کی لت سب سے خطرناک پہلو ہے۔انسان آہستہ آہستہ موبائل کا عادی ہو جاتا ہے۔اگر اسے موبائل سے دور کر دیا جائے تو وہ بے چین، چڑچڑا اور غیر متوازن ہو جاتا ہے۔گویا موبائل اس کی ذہنی خوراک بن جاتا ہے جو ایک نفسیاتی مرض کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

قارئین! مذکورہ نکات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ موبائل بذاتِ خود نہ مفید ہے، نہ مضر۔اس کی افادیت یا تباہی کا دار و مدار انسان کے طرزِ استعمال پر ہے۔

عقل مند وہی ہے جو موبائل کو اپنے مقصد کا تابع بنائے، نہ یہ کہ خود اس کا اسیر و غلام بن جائے۔جس انسان کے اندر ضبط، خود اعتمادی اور روحانی بصیرت ہے، وہ موبائل سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔لیکن جو نفس کی اسیری میں مبتلا ہو، اس کے لیے موبائل یقیناً آزمائش ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:﴿وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾ (سورة البقرة: 219)

ترجمہ :ان (چیزوں) کا گناہ ان کے فائدے سے کہیں زیادہ ہے۔

لہذا موبائل آپ کے ہاتھ میں ہو آپ موبائل کے ہاتھ میں نہیں۔ یہی آپ کی کامیابی، اور آپ کی آزادی ہے۔

****

ویحذرکم اللہ نفسه

محمداسحاق (عالمیت ثانی)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا، اور اسی میں اس کی کامیابی و ناکامی کو منحصر کر دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (سورة الذاريات: 56)

"اور میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔"

کامیابی و ناکامی کے امتحان کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کیا، کہیں محرمات سے بچنے کا حکم دیا، اور کہیں واجبات کی ادائیگی کا مکلف بنایا۔

لیکن افسوس کہ آج کے بیشتر انسان اللہ کے احکام بجالانے کے بجائے محرمات کے ارتکاب میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں گناہ کی قباحت مٹتی جا رہی ہے۔ چھوٹے گناہ کو معمولی سمجھا جاتا ہے، اور بڑے گناہوں کے ارتکاب میں بھی شرم وخوف باقی نہیں رہا۔

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دلوں سے خوفِ خدااور یومِ آخرت کی ہولناکی کا تصور ختم ہوتا جا رہا ہے۔انسان آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دینے لگاہے، کیونکہ اس کا تعلق قرآن وسنت سے مضبوط نہیں رہا۔ وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو فراموش کر چکا ہے اور مغربی تہذیب و تمدن کی اندھی تقلید میں مگن ہے۔

آج ہمارا ایمان اس قدر کمزور ہو گیا

ہے کہ گناہ کرتے وقت ہمیں اللہ کی پکڑ کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی ہمیں دیکھ نہیں رہا، ہم تنہائی میں، اندھیروں میں، پردوں کے پیچھے گناہ کرتے ہیں مگر رب العزت کی نگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِن تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (سورۃ آل عمران: 29)

ترجمہ: " کہہ دو: اگر تم اپنے دلوں کی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ اسے جانتا ہے، اور وہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي لْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ (سورۃ آل عمران:5)

"اللہ سے زمین و آسمان میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔"

اور فرمایا:

﴿وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ (سورۃ الملک:13)

"اپنی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو، وہ تو دلوں کے راز تک جانتا ہے۔"

یومِ حساب کا منظر:

یاد رکھو! قیامت کے دن ہر انسان کے اعمال پیش کیے جائیں گے بچپن سے آخری سانس تک کیے گئے ہر نیک و بد عمل کا حساب ہوگا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ﴾ (سورۃ آل عمران:30)

"اس دن ہر شخص اپنے کیے ہوئے بھلے اور برے عمل کو حاضر پائے گا، اور چاہے گا کہ اس کے اور اس کے برے عمل کے درمیان بڑی دوری ہو، اور اللہ تمہیں اپنے آپ (کی پکڑ) سے ڈراتا ہے۔"

اسی مفہوم کو سورۃ الزلزال میں مزید واضح فرمایا:

﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ (سورة الزلزال: 7-8)

"جو ذرّہ برابر نیکی کرے گا، وہ اسے دیکھ لے گا، اور جو ذرّہ برابر بدی کرے گا، وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔"

اُس وقت انسان حسرت سے کہے گا:

﴿رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾ (سورة المنافقون: 10)

"اے میرے رب! کاش تو نے مجھے تھوڑی مہلت دے دی ہوتی تاکہ میں صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا۔"

لیکن جواب میں اعلان ہوگا:

﴿وَلَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا﴾ (سورة المنافقون: 11)

"اور جب کسی کی مدتِ اجل آجاتی ہے تو اللہ ہرگز اسے مہلت نہیں دیتا۔"

میرے نوجوان بھائیو!

یہ دنیا بہت مختصر ہے، اور اس میں لذتِ گناہ عارضی مگر عذابِ آخرت دائمی ہے۔ لہٰذا پلٹ آؤ! اللہ کی طرف رجوع کرو، توبہ و استغفار کرو، اور صراطِ مستقیم پر چلنے کا عزم کرو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کتاب و سنت کی پیروی، اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے، اور معصیت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین۔

خاندان اور خاندنی نظام کی اہمیت

عمران تجمل (عالمیت ثانی)

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا فرمایا، پھر انہی سے ان کا جوڑا حضرت حوّا علیہا السلام کی صورت میں پیدا فرمایا، پھر ان دونوں کے ملاپ سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی نسل کو جاری فرمایا، مردوں اور عورتوں کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ، وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا، وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (سورة النساء: 1)

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ اور اللہ سے ڈرو، جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور رشتے ناتے توڑنے سے بچو۔ یقیناً اللہ تم پر نگہبان ہے۔“

خاندان کی تقسیم اور ذمہ داریاں:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے کے ساتھ ہی انہیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم فرمایا، تاکہ لوگ ایک دوسرے کو پہچان سکیں اور معاشرتی نظام قائم ہو۔

ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ، وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ

اللّٰہِ أَتْقَاكُمْ﴾ (سورۃ الحجرات: 13)

”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں اس لیے بانٹا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے خاندان کے ساتھ حقوق و فرائض کا ایک مکمل نظام بھی عطا فرمایا ،ہر فرد کی ذمہ داریاں اور حدود واضح کر دیں: ماں باپ کے الگ حقوق، شوہر و بیوی کے الگ حقوق، اولاد کے الگ حقوق، بھائی بہنوں، گھر والوں اور خاندان والوں کے الگ حقوق، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (صحیح البخاری: 893، صحیح مسلم:1829)

”تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“

شوہر کو بیوی اور بچوں کا ذمہ دار بنایا گیا، بیوی کو شوہر کے گھر، مال اور عزت کی حفاظت کا حکم دیا گیا، والدین کو اولاد کی پرورش کا، اور اولاد کو والدین کی خدمت و اطاعت کا پابند کیا گیا۔

خاندان سے جڑے رہنے کی برکت:

اگر ہر فرد اپنے دائرۂ عمل میں رہ کر اپنی ذمہ داری ادا کرے، تو نہ صرف گھر بلکہ پورا معاشرہ سکون و برکت سے بھر

جائے۔

افسوس! آج صورت حال اس کے برعکس ہے، جب کوئی شخص مال و مرتبہ میں آگے بڑھ جاتا ہے تو اپنے خاندان سے فاصلہ پیدا کر لیتا ہے، یہ سوچ کر کہ دوسرے اس کا لحاظ کریں، مگر وہ کسی کا لحاظ نہ کرے ، یہ رویّہ شریعت میں ناپسندیدہ اور اخلاقاً گھناؤنا ہے۔ خاندان سے کٹ جانے والا شخص مصیبت کے وقت تنہائی میں مبتلا ہو جاتا ہے، جبکہ خاندان سے جڑا ہوا انسان مشکلات میں اپنے پیاروں کو اپنے ارد گرد پاتا ہے۔

قرآن کی روشنی میں مثالیں:

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ان کی دشمن تھی، مگر ان کا خاندان ان کے ساتھ تھا تو دشمنانِ قوم کچھ نہیں بگاڑ سکے کیوں؟

قرآن میں ہے:

﴿وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ﴾ (سورة الهود:91)

"اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھروں سے مار ڈالتے۔"

کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام اپنے مضبوط خاندان کے سہارے تھے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کو دیکھ لیجیے، آپ ﷺ بنو ہاشم کے معزز قبیلے سے تھے۔ مکہ کے کفار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن تھے، مگر آپ پر براہِ راست حملہ کرنے کی ہمت نہ کر سکے، کیونکہ آپ کے پیچھے آپ کا

طاقتور خاندان موجود تھا۔ یہ ہے خاندان سے جڑے رہنے کی برکت۔

صلہ رحمی - برکت کا دروازہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (سورة النساء:128)

"صلح بہتر ہے۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَن أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ (صحيح البخارى: 5986، صحيح مسلم:2557)

"جو یہ چاہتا ہو کہ اس کی روزی میں وسعت ہو اور عمر میں برکت ہو، تو اسے چاہیے کہ رشتہ داروں سے تعلق جوڑے رکھے۔"

قارئین کرام! خاندان صرف نسبی رشتہ نہیں، یہ اللہ کی نعمت، انسان کی طاقت، اور معاشرتی نظام کی بنیاد ہے۔ جو شخص خاندان کو جوڑے رکھتا ہے، وہ دنیا و آخرت کی بھلائیاں سمیٹتا ہے، اور جو قطعِ رحمی کرتا ہے، وہ تنہائی، بے برکتی اور محرومی کا شکار ہوتا ہے۔

اللّٰهُمَّ اجعلنا مِمَّنْ يَصِلُونَ أَرْحَامَهُمْ، وَيُحْسِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ، وَاحْفَظْنَا مِنَ الْقَطِيعَةِ وَالْعُقُوقِ، وَبَارِكْ لَنَا فِي أَعْمَارِنَا وَأَرْزَاقِنَا۔ آمین یا رب العالمین۔

****

منہج سلف وسطیت کا علمبردار ہے نہ کہ تشدد کا

عفان عالم (عالمیت ثانی)

حضراتِ گرامی! میری یہ تحریر پانچ نکات پر مشتمل ہے:

1: منہجِ سلف کا تعارف:

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جب خورشیدِ اسلام نے اپنی نورانی کرنوں سے کائنات کو منور کیا تو عدل، وسطیت، رحمت، شفقت اور امن و سلامتی کا ایسا پیغام دیا جو قیامت تک انسانیت کے لیے مشعلِ راہ بن گیا۔ اسلام کے بیشمار امتیازات میں سے ایک نمایاں امتیاز یہ ہے کہ شرعی احکام کی بنیاد مصالحِ عامہ کی رعایت پر رکھی گئی ہے۔اسی دین کی سب سے خالص، معتدل اور حقیقی تعبیر "منہجِ سلف" کہلاتی ہے۔لفظ سلف سے مراد وہ مقدس جماعت ہے جو نبیِ مکرم ﷺ کی دعوت لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کو قبول کرنے والی، ایمان میں ثابت قدم، اور اخلاص و فہمِ دین میں کامل تھی، یعنی صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ائمۂ ہدایت۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا﴾(سورة البقرة:137)

"پس اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لائیں جیسے تم لائے ہو تو یقیناً وہ راہِ ہدایت پا گئے۔"

2: منہجِ سلف کی بنیاد:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سلف صالحین کی اساس کتاب و سنت ہی تھی۔ انہوں نے عقل ورائے کو وحیِ الٰہی پر مقدم کرنے سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ان کے نزدیک ہر شرعی فیصلہ عدل، احسان اور وسطیت پر قائم تھا۔

قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾(سورة البقرة:190)

"اور زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اور فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ (سورة النحل:90)

"بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔"

منہجِ سلف کا مرکز و محور رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے ، وہ جن کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (سورة الأنبياء:107)

"اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔"

نبیِ کریم ﷺ سختی و سہولت کے درمیان ہمیشہ سہولت والا راستہ اختیار فرماتے تھے۔

3: منہجِ سلف کا طریقۂ کار:

سلف صالحین کے منہج کے کئی اصول

ہیں، جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

قرآن و حدیث کو اصل ماخذ ماننا:

ان کے نزدیک حیاتِ دین کا دستور کتاب و سنت تھی، نہ کہ عقل، فلسفہ یا خواب و کشف۔

امام شافعیؒ نے فرمایا:

(کل من خالف حدیث رسول الله ﷺ فحکمه مردود علیه)

"جو شخص رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے خلاف بات کرے، اس کی بات مردود ہے۔"

فہمِ دین میں صحابہ کو معیار بنانا:

سلف کا اصول تھا کہ دین کی فہم صحابہ کرام کے فہم کے مطابق ہو، کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا﴾ (سورة البقرة: 137)

عبادت میں اتباعِ سنت:

سلف صالحین عبادت میں بدعت کے بجائے سنتِ نبوی ﷺ پر عمل کرتے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (صحیح بخاری و مسلم)

"جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں، وہ مردود ہے۔"

اعتدال و میانہ روی:

سلف صالحین کا منہج نہ افراط پر مبنی تھا، نہ تفریط پر۔ وہ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً

وَسَطًا﴾(سورة البقرة: 143) کے حقیقی مصداق تھے۔

4: تشدد کے علمبردار، منہجِ سلف کے مخالفین ہیں:

جو لوگ راہِ اعتدال سے ہٹ گئے، وہی تشدد کا شکار ہوئے۔ مثلاً خوارج نے کبائر کے مرتکب کو کافر قرار دیا، جبکہ رافضہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر سب و شتم اور تکفیر کی۔

اسی طرح جدید دور میں بعض انتہا پسند تنظیمیں "سلفیت" کا لبادہ اوڑھ کر اس مقدس منہج کو بدنام کر رہی ہیں، حالانکہ ان کا منہج تشدد، غلو اور جبر پر مبنی ہے، جو منہجِ سلف سے سراسر انحراف ہے۔

5: خلاصۂ کلام:

مذکورہ تفصیل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ منہجِ سلف اعتدال، رحمت، علم اور فہمِ دین کا آئینہ دار ہے۔ اسے تشدد یا انتہا پسندی کا نام دینا حقائق کا مسخ کرنا اور تخیلاتی مغالطہ ہے۔ یہ ایک ایسا خوابِ خام ہے جو تحقیق و تدبر کی ہلکی سی ہوا سے بھی بکھر جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں منہجِ سلف پر قائم رہنے، عدل و احسان کو اپنانے، اور ہر قسم کے غلو و تشدد سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین۔

****

یوسی سی کی حقیقت اور مسلمانوں پر اس کے اثرات

مجتبی ثناءاللہ (کلیۃ ثانیۃ)

"UCC" کا مکمل نام "یونیفارم سول کوڈ" ہے۔

یہ دراصل قوانین کا ایک مجموعہ ہے جس کا مقصد یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں تمام مذاہب کے ماننے والوں پر یکساں سول قوانین نافذ کیے جائیں، جو شادی، طلاق، وراثت، گود لینے جیسے معاملات اور بعض عبادات سے متعلق امور پر مشتمل ہوں۔

ہندوستان میں اس وقت دو بنیادی کوڈ (Codes) نافذ ہیں:

Criminal Code Uniform

اس میں حملہ، قتل، اغوا، چوری وغیرہ کے جرائم سے متعلق قوانین شامل ہیں، جو تمام ہندوستانیوں کے لیے برابر ہیں، اور یہ پہلے سے نافذ ہے۔

Uniform Civil Code (UCC)

اس میں املاکی قانون، معاہدات، خرید و فروخت، دستاویزات اور خاندانی قوانین جیسے نکاح، طلاق، خلع وغیرہ شامل ہیں۔ مگر یہ تمام مذاہب پر برابر لاگو نہیں ہے، کیونکہ مختلف مذاہب کی عائلی اور مذہبی بنیادیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بالخصوص مسلمانوں کے لیے اس قانون پر عمل دین و شریعت سے ٹکراؤ کا باعث بنتا ہے۔

ہندوستانی آئین کے مطابق:

آرٹیکل 25 ہر شہری کو مذہبی آزادی دیتا ہے ،یعنی جو مذہب چاہے اختیار

کرے، اس پر عمل کرے اور اس کی دعوت بھی دے۔

آرٹیکل 26 ہر مذہبی گروہ کو دو بنیادی حقوق دیتا ہے:

اپنے مذہب کے مطابق تنظیمیں قائم کرنے کا حق اور اپنے مذہبی امور کو خود منظم کرنے کا حق۔ جب کہ آرٹیکل 44 حکومت کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ ہندوستان میں تمام "Personal Laws" کو ختم کر کے ایک یکساں سول قانون نافذ کرے۔ تاہم، دستور ساز اسمبلی کے دوران ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈ کرنے 1949ء میں کہا تھا:

UCC" مطلوب تو ہے، مگر اسے لازمی نہیں بلکہ اختیاری رکھا جائے۔ یہ قانون تبھی نافذ ہو سکتا ہے جب عوام خود سے اس کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

اسی بنیاد پر قانون کمیشن نے 2018ء میں UCC کی تجویز کو مسترد کر دیا تھا۔ اس کے باوجود، حالیہ برسوں میں حکومت کی جانب سے "UCC" کے نفاذ پر شدید زور دیا جا رہا ہے۔ وزیرِ اعظم ہند نے جون 2023 میں کہا:

"ایک ملک دو قوانین پر کیسے چل سکتا ہے؟"

بی جے پی نے اپنے 2024ء کے انتخابی منشور میں UCC کو لازماً نافذ کرنے کا وعدہ کیا، اور اترا کھنڈ کے وزیر اعلیٰ پشکر سنگھ دھامی نے 27 جنوری 2025 کو اپنے صوبے میں UCC کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔

دفعہ 44 پر زور، مگر دیگر دفعات پر خاموشی

حکومت جب دفعہ 44 (UCC) کی

بات کرتی ہے تو دفعہ 47 اور دفعہ 38 پر خاموش ہے حالانکہ دفعہ 47 عوام کی صحت، بہتر غذا، اور شراب کی ممانعت کی ہدایت دیتی ہے۔ دفعہ 38 آمدنی اور مواقع کی عدم مساوات ختم کرنے کی ہدایت دیتی ہے۔

یہ انتخابی سیاست کا ایک یک طرفہ رویہ ہے، جس نے عوام بالخصوص مسلمانوں کو نشانہ بنایا ہے۔

UCC کے شرعی و عملی مضمرات:

اگر یہ قانون پورے ہندوستان میں نافذ کر دیا گیا تو مسلمانوں کو قرآن و حدیث کے کئی احکام سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ چند نمایاں مثالیں درج ذیل ہیں:

1: نکاح اور بلوغت کی عمر:

اسلام میں بلوغت کی علامت ظاہر ہوتے ہی نکاح جائز ہو جاتا ہے، خواہ عمر کم ہو۔ جبکہ UCC کے مطابق لڑکا 21 اور لڑکی 18 سال کی عمر سے قبل نکاح نہیں کر سکتے۔ یعنی حرام تعلقات کو برداشت کیا جاتا ہے، مگر حلال نکاح کو جرم بنا دیا جاتا ہے ، یہ کہاں کا انصاف ہے؟

2: طلاق اور خلع:

اسلام میں طلاق کا حق شوہر کو اور خلع کا حق بیوی کو دیا گیا ہے۔ عدت کے بعد شوہر پر بیوی کا نفقہ نہیں، جبکہ UCC میں عورت کو بھی طلاق کا مساوی حق دیا گیا ہے، اور شوہر پر سابقہ بیوی کا نفقہ واجب رکھا گیا ہے ، یہ اسلامی حدود کے منافی ہے۔

3: وراثت:

قرآن کہتا ہے:

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ (سورة النساء:11)

”بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔“
جبکہ UCC میں مرد و عورت کے حصے برابر ہوں گے، جو واضح طور پر قرآنی نظامِ وراثت کے خلاف ہے۔

4: لے پالک بیٹا اور ولد الزنا:

اسلام میں گود لیا ہوا بچہ (متبنّٰی) حقیقی اولاد نہیں کہلاتا، اور وراثت کا حق نہیں پاتا۔ جبکہ UCC کے مطابق گود لیے ہوئے بچے اور ولد الزنا کو وراثت میں برابر کا حصہ دیا جائے گا۔

5: وقف املاک:

اسلام میں وقف اللہ کی ملکیت بن جاتا ہے، اور متولی کو بیچنے یا ذاتی استعمال کا اختیار نہیں۔ UCC میں یہ جائیدادیں حکومتی کنٹرول میں آجائیں گی۔

6: تعددِ ازدواج اور اولاد کی حد:

اسلام میں انصاف کی شرط کے ساتھ چار شادیوں کی اجازت ہے، جبکہ UCC ایک سے زیادہ شادیوں پر پابندی لگاتا ہے، حتی کہ دو سے زیادہ بچوں پر بھی روک تجویز کرتا ہے۔

7: رضاعی (دودھ شریک) رشتہ:

قرآن میں دودھ شریک بہن بھائی کے درمیان نکاح حرام ہے، جیسا کہ فرمایا گیا:
﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ (سورۃ النساء: 23)
”اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا، اور دودھ شریک بہنیں تم پر حرام ہیں۔“
جبکہ UCC میں ایسے نکاح کی اجازت دی جاسکتی ہے ، یہ قرآنِ مجید کے خلاف صریح قانون ہوگا۔

عبادات پر ممکنہ اثرات:

یہ قانون صرف عائلی مسائل تک محدود نہیں، بلکہ عبادات و شعائرِ اسلام پر بھی اثر انداز ہو سکتا ہے، جیسے: مائک سے اذان پر

پابندی، قربانی اور ذبیحہ پر پابندی، حلال و حرام خوراک کے معاملات میں مداخلت، یہ سب کچھ مذہبی آزادی کے آئینی حق کی صریح خلاف ورزی ہے۔

قارئین کرام! اسلام کا نظامِ حیات عدل، رحمت، اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ جبکہ UCC ایک ایسا قانون ہے جو فطرتِ انسانی اور آزادیِ مذہب دونوں سے متصادم ہے۔ اگر اسے نافذ کیا گیا تو یہ فتنہ، فساد اور مذہبی خلفشار کا باعث بنے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (سورۃ الملک:14)

"کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا؟ وہی تو باریک بین اور باخبر ہے۔"

لہٰذا ایک سچا مسلمان اپنے رب کے حکم سے انحراف نہیں کر سکتا، اور ایسے قانون کو قبول کرنا دینی و اخلاقی خیانت کے مترادف ہوگا۔

****

حوالہ جات:

نیوز دا انقلاب 31 اگست 2024
ہمارا سماج 21 جولائی 2023
روزنامہ راشٹریہ سہارا 26 جولائی 2023
ملت ٹائمز 13 جولائی 2023
یوٹیوب چینل : The Lallantop 27 جنوری 2025
یوٹیوب چینل : Dhruv Rathee / Akash Banerjee 7 فروری 2024

****

بندہ مومن کی سوچ کیسی ہونی چاہیے؟

نورعالم (کلیۃ ثانیۃ)

انسان کے اخلاق کی پرورش میں، اس کی تربیت میں، اس کا طرزِ کلام اور بات کرنے کا سلیقہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ انسانی سوچ کا انسانی خیالات پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ جس قدر پاکیزہ سوچ ہو گی، اسی قدر پاکیزہ کلام زبان سے ادا ہوگا۔ مثبت سوچ سے مثبت رویے جنم لیتے ہیں، جبکہ منفی سوچ سے منفی رجحانات پیدا ہوتے ہیں۔

گفتگو کے آداب و انداز پر بہت زیادہ گفتگو کی جا سکتی ہے۔ گفتگو باقاعدہ ایک فن ہے۔ گفتگو کبھی کسی کو نامور بنا دیتی ہے تو کبھی اسی کی وجہ سے نام والا اچھا خاصا انسان بھی بدنام ہو جاتا ہے۔ یعنی جب انسان گفتگو کرتا ہے تو جو اس کے عیب اور خوبیاں چھپی ہوئی رہتی ہیں وہ اسی گفتگو کی وجہ سے ابھر کر آتی ہیں۔

بات چیت ایک ایسی صلاحیت ہے جو کہ اللہ تعالی کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، کیونکہ انسان اسی کے ذریعے سے اپنا حالِ دل بیاں کرتا ہے، اسی سے لوگوں کو اپنی پہچان کراتا ہے، اور دوسروں کو بھی پہچانتا ہے۔ اسی سے رشتہ داریاں نبھاتا ہے اور نئے تعلقات قائم کرتا ہے۔ لوگوں کی تربیت و اصلاح، دوسروں کو عزت دینا، دوسروں سے عزت لینا، درس وتدریس، خوش طبعی، مزاج پرسی، کسی کا دل بہلانا،

روٹھے کو منانا، غم میں شریک ہو کر مغموم شخص کو دلاسا دینا، خوشیوں پر مبارکباد دینا وغیرہ سارے کام عموماً گفتگو کے ذریعے ہی کیے جاتے ہیں۔

محترم قارئین کرام! روز مرہ کی زندگی میں گفتگو کی ضرورت بہت زیادہ پیش آتی ہے۔ اخروی نجات و ہلاکت میں بھی اس کا عمل داخل ہے۔ لہٰذا ضروری گفتگو بھی مختصر الفاظ اور محتاط انداز میں کرنی چاہیے۔

اگر ہم اپنے ارد گرد رہنے والوں سے، اپنے احباب و اقارب سے خندہ پیشانی سے ہم کلام ہوں، نرم لہجے میں گفتگو کریں، پاکیزہ طرزِ کلام اپنائیں اور ترش روئی و سخت مزاجی کو چھوڑ دیں تو ہر کوئی ہماری طرف متوجہ ہوگا، ہماری باتوں کو اہمیت دے گا اور اسے غور سے سنے گا۔

اگر ہم گفتگو کے آداب کو اپنا لیں تو ہم بہت آسانی سے دعوت و تبلیغ کا کام انجام دے سکتے ہیں اور حق بات کو پہچان کے اپنا حق ادا کر سکتے ہیں۔

اسی لیے اسلام نے گفتگو کے آداب سکھائے اور ہمیں بتایا کہ ہم کس انداز میں، کن الفاظ میں اور کن مقاصد کے لیے زبان کا استعمال کریں۔

اب آیئے گفتگو کے چند آداب کو جانتے ہیں:

1. سلام اور خوش اخلاقی سے بات کا آغاز کرنا:

جب ہم اپنے بڑوں سے، اساتذہ اور احباب و اقارب سے ملیں تو ہمیں سب سے پہلے سلام سے گفتگو کا آغاز کرنا چاہیے، جس سے ہمارے درمیان محبت پیدا ہوگی۔

2. مناسب وقت:

ہم اپنی بات مناسب موقع اور مناسب وقت پر کہیں۔ پھر چاہے کسی سے بھی کرنی ہو، کوئی محفل یا کسی تقریب میں ہوں، ہمیشہ مناسب وقت کا دھیان رکھنا چاہیے۔

3. مناسب الفاظ:

ہم سب کو اپنی بات کے لیے مناسب اور عمدہ الفاظ کا استعمال کرنا چاہیے اور غیر مناسب الفاظ سے پرہیز کرنا چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ﴾(سورة الإسراء:33)

ترجمہ ":اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ ایسی بات کہیں جو سب سے بہتر ہو، بے شک شیطان ان کے درمیان فساد ڈال دیتا ہے۔"

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ) (صحيح البخاری:6018)

ترجمہ :"جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ بھلائی کی بات کرے یا خاموش رہے۔"

یعنی اگر ہم مناسب الفاظ اور زبان کا صحیح سے استعمال نہیں کر پاتے، موقع و ماحول کا خیال نہیں رکھ پاتے تو ہمارے لیے بہتر ہے کہ ہم خاموش رہیں۔

4. بولنے کا انداز:

اندازِ بیاں بھی گفتگو کے آداب کا اہم حصہ ہے۔ بات کرتے وقت نرم لہجہ اور شائستہ انداز اپنانا چاہیے۔ بڑوں سے نہایت ہی ادب و احترام، ہم عمر دوستوں سے اپنائیت بھرا لہجہ اور چھوٹوں سے شفقت و محبت سے گفتگو کرنی چاہیے اور ہمیں سخت

مزاجی و ترش روئی سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ اکثر لوگ اپنی ترش روئی کی وجہ سے جہنم رسید کیے جائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

(هَلْ يَكُبُّ النَّاسَ عَلَى وُجُوهِهِمْ فِي النَّارِإِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ)(الترمذی:2616)

ترجمہ :"کیا لوگوں کو ان کے چہروں کے بل جہنم میں گرانے والی چیز ان کی زبانوں کی کمائی کے سوا کچھ اور ہے؟"

لوگ اپنی زبان درازی کی وجہ سے جہنم میں اوندھے منہ ڈالے جائیں گے۔

5. غیر ضروری بحث ومباحثے سے پرہیز:

غیر ضروری بحث و مباحثے سے پرہیز کرنا چاہیے، جیساکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ)(الترمذی:2317)

ترجمہ" :آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے جو اس سے بے تعلق ہیں۔"

5. فحش کلمات اور گالی گلوچ سے پرہیز:

فحش کلمات اور گالی گلوچ سے بچنا چاہیے۔ کبھی کبھی ہم اپنے دوستوں کے ساتھ چلتے پھرتے ایسے فحش گوئی کے کلمات استعمال کرتے ہیں، جن کو ہم بہت معمولی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ شریعت کے رو سے ایک بد اخلاقی ہے، اور یہ بد اخلاقی انسان کے ایمان کو غارت کر دیتی ہے۔

ارشادِ نبوی ہے:

(سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ) (صحيح البخاری:48)

ترجمہ :"کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔"

7. دوران گفتگو کسی کا مذاق اڑانا:

گفتگو کے دوران کسی کی تحقیر کرتے ہوئے تمسخر و مذاق سے گریز کرنا چاہیے، کہ یہ شرفِ انسانیت کے منافی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ ﴾(الحجرات :11)

ترجمہ :"اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے، ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو۔"

8. اسی طرح گفتگو کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے کو طرح طرح کے غیر مناسب القاب کے ذریعے پکارنے سے پرہیز کرنا چاہیے: فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ﴾(الحجرات :11)

ترجمہ :"اور ایک دوسرے کو برے القاب سے مت پکارو۔"

محترم قارئین کرام! ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی سوچ کو مثبت بنائیں اور منفی رجحانات سے بچائیں۔ جب ہم اپنے بڑوں سے اور چھوٹوں سے ہم کلام ہوں تو آدابِ گفتگو کا خیال رکھیں، اور اپنی زبان کو گالی گلوچ، فحش کلمات اور برے القاب سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

****

جيل بلا قدوة من المسلمين

امين الاكثر (السنة الثانية من الثانوية العليا)

من طبيعة الإنسان أنه يتبع من يعتقد أنه أكبرُ منه فضلًا وشهرةً وجاهًا ومنصبًا ويجعله قدوةً له ليكون مثله فينال ما ناله،ولكن السؤال هنا: من قدوتُنا؟ ومن هادينا وأُسوتُنا؟فالجواب في قوله تعالى: ﴿لقد كان لكم في رسول الله أُسوة حسنة﴾(الاحزاب:21)، أي إنَّ في أقوالِ رسولِ الله ﷺ وأفعاله وسيرته أُسوةً حسنةً.ولكن مع الأسف الشديد، كثيرٌ من شباب المسلمين في هذه الأيام لا يعرفون من النبي ﷺ إلا اسمه، وليس في علمهم شيءٌ من سيرته ولا من سلوكه ولا من خُلُقه ولا من تعامله مع عامة الناس وخاصتهم. فهؤلاء الشباب يتحيَّرون في حياتهم، يطلبون الفوز والفلاح في الدنيا والآخرة، ولا يعلمون أن أصحابَ الرسول ﷺ لما اتخذوه قدوةً وأسوةً فازوا بسعادة الدارين.أولم يسمعوا أن الخلفاءَ الراشدين المهديين كانوا خلفاءَ المسلمين في الدنيا ومبشَّرين بالجنة في الآخرة، لاتّباعهم النبيَّ ﷺ وجعلِهم إياه قدوةً لهم؟ولكن اليوم قلَّ أن يكون للشباب قدوةٌ من المسلمين، لا في الدين ولا في الدنيا ، فيقتدون بغير المسلمين، ويظنون أنَّ من كان أكثر مالًا فهو قدوةٌ لهم ، ومن هو أكثر اتباعا في وسائل التواصل الاجتماعي فهو أسوة لهم، وبعضهم يجعلون قدوتهم ممثلي الأفلام يتكلمون كتكلمهم، ويشربون كشربهم، ويمشون كمشيتهم، ويلبسون كلبسهم، و يبتغون بذلك فخرًا ولا يجدون في أنفسهم عارًا.

ومن أعظم آثار القدوة السيئة أنَّ المقلِّدين يتبعون أفعالَ من يقتدى بهم بلا تفكيرٍ في حِلِّها أو حرمتِها۔ مثلًا بعض الناس يشربون الخمر لأنهم رأوا من يقلدهم يشربونها ، ورأوهم يشربون الماء أو الشاي قائمين بيده اليسرى،

فيتبعونهم في ذلك.

وحل هذه المشكلة :

أولًا: أن نُعلِّم أبناءنا وطلابنا سيرةَ رسول الله ﷺ، وتاريخ أصحابه رضي الله عنهم، ليظهر لهم موضعُ العِبرةِ في حياتهم وتاريخهم.

ثانيا: أن يكون العلماءُ عاملين بعلمهم، متأسِّين بأصحاب النبي ﷺ، ليقتديَ بهم العامة،كما قال عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه: «من كان منكم متأسيًا فليتأس بأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فإنهم كانوا أبرَّ هذه الأمة قلوبًا، وأعمقها علمًا، وأقلها تكلفًا، قومًا اختارهم الله لصحبة نبيه وإقامة دينه، فاعرفوا لهم فضلهم، واتبعوهم في آثارهم، وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم ودينهم، فإنهم كانوا على الهدى المستقيم». (رواه ابن عبد البر في جامع بيان العلم وفضله.)

ثالثًا: لا بد أن نعلم أن العبرة ليست بالتلميع، فتجد بعض الناس مشهورًا مُتلَمعًا بالعلم والزهد والجود والكرم خاصة في وسائل التواصل الاجتماعي، لكن الحقيقة خلاف ذلك.فاجعلْ قدوتَك نبيَّك الأمينَ، الناصحَ لك، الحريصَ عليك، الذي هو بالمؤمنين رؤوفٌ رحيم ، وأصحابَه العظامَ الذين رضي الله عنهم ورضوا عنه، لتنجح في دنياك وآخرتك.

.

****

تعالوا! نتعلّمِ العربيّةَ

(إدارة النادي)

1. تسعى الحكومة للحَدِّ من ظاهرةِ الغَلاء فى الهند۔
2. ترتكب أمريكا انتهاكاتٍ للاتّفاقات القانونيّة الدّوليّة۔
3. أدانت روسيا محاولاتِ أمريكا للابتزاز۔
4. هولاء النّاس يعارضون القانونَ السّاري فى البلاد۔
5. هدّدتْ روسيا بإنتاج الأسلحة النّوَوِيّة ۔
6. تصدير الأسلحة محظور فى العُرْف الدّوَلِي۔
7. أدّت الفيضانات فى بمبائى (مهارشترا) إلى وقوع خسارةٍ فادحةٍ فى المُمْتَلَكات فى المناطق المَنْكُوبة بالفيضان۔
8. أقام رئيس البَرْلمان مأدبةً فى دار البرلمان۔
9. رفعتْ هئيةُ الأحوال الشّخصيّة للمسلمين طلباتٍ إلى المحكمة العليا؛ضدّ اللّجنة الانتخابيّة۔
10. على المسلمين فى البلاد أن يخطوا على حذَرٍ۔

(1) الحَدُّ من ظاهرة الغَلاء: مہنگائی پر شکنجہ کسنا

(2) الاتفاقات القانونيّة الدّوليّة: بین الاقوامی قانونی معاہدہ

(3) محاولات الابتزاز: بلیک میلنگ کی کوشش

(4) القانون السّاري: لاگو قانون

(5) إنتاج الأسلحة النّوَوِيّة: ایٹمی ہتھیار بنانا

(6) تصدير الأسلحة: ہتھیار برآمد کرنا. العرف الدولى: بین الاقوامی قانون.

(7) الفيضان و الفيضانات: سیلاب. المناطق المنكوبة بالفيضان: سیلاب زدہ علاقے.

(8) رئيس البرلمان: پارلمینٹ اسپیکر دار البرلمان: پارلیمنٹ ہاؤس

(9) هئية الاحوال الشخصية للمسلمين: مسلم پرسنل لابورڈ. المحكمة العلياء: سپریم کورٹ

(10) الخَطْو على حذر: پھونک پھونک کر قدم رکھنا

Dreams never shine

Abdullah Ejaz (B.A II)

The majority of people often have their own dreams. An open-eyed dream. But those who reach the pinnacle of success can be counted. The rest of them merely reliance upon their luck. They who fall behind stumble at every step .

You should be very practical for achieving your target neglecting to fly in a flight of fancy.

Dears!

You also have your dreams according to your natural talents. If you use that talent to set your goal in life, success will be yours. But the actual problem is; do you pursue your dreams which you observe as ashining star? Setting goal is a valuable asset of success as well as dreams require a sleepless effort, hardwork and dedication. You need to be a workaholic. Being workaholic is so

important to achieve the goal instead of rumbling and talking this & that. All your dreams come true if you have the courage to pursue them (Walt Disney). Your destination, your goal, your dream, your vision is built on a foundation of an effort and commitment .

Moreover, to make your dreams real require curiosity and zeel. If you do what you love to do, the journey becomes smooth. Many people are just looking for opportunities, they should aware of this that opportunities never happen, you have to create them yourselve without losing your heart.

Friends !

Dreams never shine, it’s you! It's you who shine chasing your dream, it also need some hard work.





Student, s

Monthly Magazine October - 2025

Majallah Al-Nadi





PUBLISHED BY

AL- NADI AL- MOHAMMADI
COLLEGE OF ARABIC LANGUAGE AND ISLAMIC STUDIES

Jamia Mohammadia Mansoora P.B. No.144,
Malegaon 423203, Nashik District, Maharashtra, India.